اداریہ

اسلام اور امن و آشتی

فرانس کے ایک معروف دانشمند ریناں گینوں (Rene Guenon) نے اپنی ایک کتاب: ''جدید دُنیا کا بحران'' میں اس اندیشہ کا اظہار کیا تھا کہ کیا یہ بات مغرب کا مقدر بن چکی ہے کہ وہ اپنے زوال کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبے گا[1]'' موجودہ وقت میں امریکی سیاست جس راہ پر چل رہی ہے، اس سے دُنیا کے اہلِ نظر کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ اگر اس 'آوارہ سیاست' کی راہ نہ روکی گئی تو وہ ایک نئے المیہ کو جنم دے سکتی ہے جو ۱۱ر ستمبر کے المیہ سے زیادہ ہولناک ہو گا۔

امریکی صدر نے افغانستان پر ایک 'کامیاب حملے' کے بعد ایران، عراق اور شمالی کوریا کو 'برائی' کے محور یا اڈے قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ملک بھی امریکہ کی فوجی طاقت کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مزعومہ دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے 'دہشت گردی' کا سہارا لینا جائز ہے؟ وقت کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ بش انتظامیہ عراق کو مہلک ہتھیاروں کی تیاری پر 'برائی کے اڈے' قرار دے رہی ہے، لیکن عراق کے پہلو میں اسرائیل جس بے دردی سے امریکی F-16 کی مدد سے عربوں کا خون بہا رہا ہے، اس پر بش انتظامیہ خاموش ہے۔ کیا بش انتظامیہ واقعی دُنیا کے اہلِ دانش کو فکر و نظر سے عاری سمجھتی ہے؟ امریکہ کے اربابِ سیاست آخر اس جانی پہچانی حقیقت کا ادراک کیوں نہیں کرتے کہ مسلم دُنیا کے عوام یہ سمجھتے ہیں

---

[1] "The East, as the result of modern influences, merely will have to undergo a temporary... crisis, or is the West destined to involve the whole mankind in its own downfall."

The Crisis of the Modern World (London, 1975), p.99

کہ فلسطین کی سرزمین میں جو خونی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے، اس میں اسرائیل کی مسلسل جارحیت کو امریکہ کی حمایت حاصل ہے۔ اگر یہ تاثر صحیح ہے تو پھر امریکی سیاست کو اسے ختم کرنے کے لیے کوئی مثبت قدم اُٹھانا چاہیے۔

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے المیہ پر ہم نے انتہائی کرب کے ساتھ یہ لکھا تھا کہ یہ وحشیانہ عمل مذہبی انتہاپسندی کی محرومیوں کا خوف ناک مظاہرہ ہے، جس سے مذہب، فلسفۂ اخلاق یا جمہوری روایات کا کوئی تعلق نہیں۔ افسوس! کہ ۱۱ر ستمبر کے اس المناک حادثے کے بعد مغرب کے بعض حلقے اس حملہ میں ملوث لوگوں کے ساتھ ساتھ اسلام اور تمام مسلمانوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور قتل و غارت اور دہشت گردی کو جہاد کا نام دے رہے ہیں۔ یہ پروپیگنڈا اس زور شور سے کیا جا رہا ہے کہ مغرب کا عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جہاد اور تشدد، جہاد اور قتل و غارت، جہاد اور دہشت گردی دو مترادف لفظ ہیں۔ اگر یہ پروپیگنڈا 'سیاست' کے نام پر کیا جاتا تو شاید ہمیں دُکھ نہ ہوتا۔ کیوں کہ موجودہ سیاست، مشرقی ہو یا مغربی، عمومی طور پر فلسفۂ اخلاق پر یقین نہیں رکھتی۔ لیکن یہ پروپیگنڈا امن و آشتی اور آزادیٔ فکر کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ہم یہاں نہایت ہی اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں مسلم اور غیرمسلم کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ایسے ہی مسلم اور غیرمسلم کے درمیان جنگ کا سبب کیا ہے، مذہب یا جارحیت (Aggression)؟

یہاں اس بات کا ذکر شاید بے جا نہ ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ پورے تیرہ سال تک اہلِ مکہ کو پرامن طور پر اپنے حسنِ بیان اور حسنِ عمل سے اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اس دعوت میں دو بنیادی باتوں کا خیال رکھا گیا۔ (۱) لوگوں کو حکمت و دانائی کے ساتھ خدا کی طرف بلایا گیا۔[۱] (۲) لوگوں سے بات چیت کرتے وقت عمدہ اور شائستہ اندازِ بیاں اختیار کیا گیا۔[۲] (۳) اہلِ مکہ کو صاف صاف بتا دیا گیا کہ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں، تمہارا دین یا

۱، ۲ سورۃ النحل (آیت ۱۲۵) میں آیا ہے: اُدع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ ''(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ، اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو اور اچھے طریقے پر بلاؤ۔ نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث ونزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر جو حسن وخوبی کا طریقہ ہو۔''

اخلاقی ضابطہ تمہارے ساتھ اور میرے لیے میرا دین۔ (الکافرون:٦)

ان تیرہ برسوں میں آپ اور آپ کے ساتھیوں کو حق و صداقت کی راہ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ پورے صبر و تحمل سے اپنا کام کرتے رہے، سچائی کی راہ میں آپ اور آپ کے ساتھیوں کی ان پرامن کاوشوں کو قرآن نے 'جہاد' سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن میں آیا ہے: **والذین جاھدوا فینا لنھدیھم سبلنا** (العنکبوت: ٦٩) ''اور جو لوگ ہماری راہ میں انتہائی محنت سے کام لیتے ہیں، ہم یقیناً ان کے سامنے (اِدراکِ حق کی) اپنی راہوں کو کھول دیتے ہیں۔'' اکثر روایات کی رو سے یہ سورہ مکی دَور سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں **جاھدوا** میں **المجاھدہ** کا معنی سخت محنت یا کوشش ہے، میدانِ جنگ میں لڑنے سے نہیں ہے۔

سورۃ الفرقان (آیت: ۵۲) میں آیا ہے: ''جو لوگ سچائی کا انکار کر رہے ہیں۔ ان کی بات نہ مانیں۔ بلکہ اُنہیں اس راہ پر لانے کے لیے قرآن ہی کے ذریعہ انتہائی محنت سے کام لیں۔'' یہ سورت بھی مکی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی لفظ '**جھاداً کبیراً**' کا معنی عملاً دفاعی جنگ سے نہیں ہے۔ بلکہ اہلِ مکہ کو راہِ راست پر لانے کے لیے سخت محنت اور کوشش سے کام کرنا ہے۔

سورۃ الحج کی آخری آیتِ کریمہ میں آیا ہے: **وجاھدوا فی سبیل اللہ حق جھادہ** (الحج: ۷۸) ''اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو۔ اس کی راہ میں جان لڑانے کا جو حق ہے، پوری طرح ادا کرو۔'' 'جہد' کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ کوشش جو ایک انسان کسی مقصد کے لیے کر سکتا ہے وہ تمہیں اللہ کے لیے کرنی چاہیے۔ 'یہ کوشش نیت سے بھی ہے، زبان سے بھی، مال سے بھی اور ہاتھ پاؤں سے بھی'[1] یہ سورۃ بھی بہ روایت زمحشری، رازی اور بیضاوی مکی دَور سے تعلق رکھتی ہے۔

مکہ کے تیرہ سالہ قیام میں آپ اور آپ کے پورے خاندان کا سماجی بائیکاٹ بھی کیا گیا۔ جس سے آپ کے خاندان اور قبیلے کو ذہنی کرب اور تنگیٔ معاش سے واسطہ پڑا۔ اسی طرح

---

[1] ابوالکلام آزاد: ترجمان القرآن، ج ۲، آیت نمبر ۷۸، ترجمہ اور نوٹ۔

مکہ کے قیام ہی میں آپ کو اپنے سفرِ طائف میں دوں ہمت، پست نظر عرب سرداروں سے واسطہ پڑا، ان کی بدسلوکی پر خود آپ کے بہادر دشمنوں کا بھی دل بھر آیا۔ لیکن آپ نے اپنی بے بسی اور بے سروسامانی کا شکوہ خدا ہی سے کیا: **اللھم اشکو الیک ضعفی وقلة حیلتی...**
لیکن اس ساری مدت میں نہ تو آپ نے کوئی خفیہ تنظیم بنائی اور نہ ہی اپنے کسی حریف کو 'جہاد' کے نام پر قتل کیا اور نہ ہی کسی کو اپنے مذہب میں لانے کے لیے تشدد کا سہارا لیا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ اور آپ کے ساتھیوں نے صبر و تحمل، اعتدال پسندی، میانہ روی، فروتنی اور صدق و صفا کو اپنی زندگیوں کا شعار بنایا۔

اہلِ ایمان کے شریفانہ طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا: ''الرحمٰن کے بندے تو وہ ہیں، جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔ جب جاہل اُن سے نادانی کی بات کرتے ہیں تو یہ سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں... جب یہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو بے جا اڑاتے نہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ، نہ ضرورت سے زیادہ نہ ضرورت سے کم... یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور اگر بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو شریفانہ انداز سے گزرتے ہیں...'' (الفرقان:۶۳-۷۴)

یہ تو تھی مکہ کی زندگی، جو مقصد کی راہ میں جہدِ پیہم سے عبارت ہے۔ اس پرامن جدوجہد پر لفظ 'جہاد' بولا گیا ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تمام پیغمبروں، خاص طور پر حضرت مسیحؑ اور رسولِ کریم ﷺ، فلسفیوں، عارفوں اور مدبروں کے اس تاریخی طرزِ عمل کو آج انسانی معاشرے نے شعوری یا لاشعوری طور پر قبول کر لیا ہے۔ پرامن جدوجہد کا یہ جہاد آج بھی جاری ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ برصغیر میں آزادی کے لیے پرامن دستوری راہ اختیار کی گئی۔ اسی راہ پر چلتے ہوئے چھوٹی یا بڑی سیاسی جماعتیں اپنا کام کرتی رہیں۔ اور بعض لوگ برطانوی جیلوں میں بھی جاتے رہے۔ لیکن ان کا ذوقِ جنون برابر بڑھتا گیا۔ نہ صرف مسلمان مثلاً محمود حسن دیوبندی، محمد علی جوہر، سیّد حسین احمد مدنی، چوہدری افضل حق، خاں عبدالغفار خان، ابوالکلام آزاد اور دوسرے سیاسی رہنماؤں کو بار بار جیل جانا پڑا بلکہ

اسی ذوقِ جنوں کے ہاتھوں ہندو رہنما مثلاً مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، لالہ لاجپت رائے جیسے لوگ بھی حصولِ آزادی کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ اور بالآخر برصغیر کے باسیوں کی پرامن سعی وعمل اور عالمی سیاسی واقعات کے نتیجے میں برطانوی سامراج کو برصغیر سے جانا پڑا۔

حصولِ آزادی کے لیے پرامن کوششوں کا ایک مظاہرہ ہم جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا کی خوبصورت شخصیت میں دیکھتے ہیں جس نے اپنے وطن کی آزادی کے لیے ۲۷ سال تک برابر قیدِ تنہائی کاٹی اور پرامن ضبط وتحمل سے 'گوری' حکمران اقلیت کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ایک بلند مقصد کی راہ میں پرامن جدوجہد، ایسے ہی اپنے دفاع میں ڈٹ کر لڑنے کا نام قرآن کی بولی میں جہاد ہے، جسے آج کے بعض دانش ور اپنی نئی سیاسی لغت میں تشدد یا دہشت گردی سے موسوم کر رہے ہیں۔

جب اہلِ مکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی پرامن جدوجہد کو دبانے میں ناکام رہے تو وہ آپ کے خلاف خوف ناک سازشوں پر اتر آئے اس وقت آپ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں لوگوں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ لیکن اہلِ مکہ اپنے جارحانہ موقف سے دست بردار نہ ہوئے، بلکہ مدینہ پر یلغار کے منصوبے بنائے گئے۔ اب رسولِ کریمؐ اور آپ کے ساتھیوں کو اپنے دفاع میں میدانِ جنگ میں اترنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس دفاعی جنگ کی اجازت دیتے ہوئے قرآن نے فرمایا: ''(اور دیکھو) جو لوگ تم سے لڑائی کر رہے ہیں۔ چاہیے کہ اللہ کی راہ میں تم بھی ان سے لڑو۔ (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا، جو زیادتی کرنے والے ہیں[1]۔'' (البقرہ:۱۹۰)

سورہ بقرہ کی اس آیتِ کریمہ پر القرطبی نے اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں لکھا ہے: قتال کے بارے میں یہ پہلی آیت ہے۔ ہجرت سے پہلے (قیامِ مکہ میں) جنگ وقتال ممنوع تھا۔ بلکہ کہا گیا کہ ''بدی کا جواب ایسے طریق سے دو جو عمدہ و شائستہ ہو۔'' (فصلت:۳۴) یا اُنہیں (مخالفوں کو) معاف (**فاعف عنهم**) کر دو۔'' **ولا تعتدوا** میں قرطبی لکھتے ہیں کہ ''جو

[1] ''وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا، ان الله لایحب المعتدین'' (البقرة:۱۹۰)

لوگ تم سے جنگ نہیں کرتے، ان سے جنگ نہ کرو۔'' اسی آیت کی تفسیر میں الکشاف میں زمخشری لکھتے ہیں: ''جنگ میں ابتداء نہ کرو''۔

ان آیاتِ کریمہ کی تشریح میں مزید کہا گیا ہے کہ جنگ میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور ان لوگوں سے مطلقاً تعرض نہ کرو جو اپنی عبادت گاہوں میں خدا کی بندگی کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے شام جانے والے ایک لشکر کے کمانڈر یزید بن ابی سفیان کو یہی نصیحت فرمائی تھی۔

سورہ بقرہ کے علاوہ اس دفاعی جنگ کی اجازت سورہ الحج میں بھی دی گئی ہے۔ جہاں کہا گیا ہے کہ ''جن لوگوں پر ظلماً جنگ مسلط کی گئی ہے اور اُنہیں اس لیے گھروں سے نکال باہر کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے، اللہ ہمارا پروردگار ہے۔ اُنہیں (مسلمانوں کو) اپنے دفاع میں جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔'' (الحج: ۳۹) یاد رہے کہ اپنے دفاع میں جنگ کی اجازت کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی ہوا کہ ''اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو چاہیے تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ۔ اور ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھو۔'' (الانفال:۶۱) لیکن جو غیر مسلم قومیں مسلمانوں کے خلاف جارحانہ جنگ کی کارروائی نہیں کرتیں، ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ الممتحنہ میں قرآن نے فرمایا: ''جن لوگوں نے تم سے دین کے لیے جنگ نہیں کی اور تم کو گھروں سے نہیں نکالا، اللہ اس سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان اور بھلائی کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ، کیونکہ اللہ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔[۱]'' (آیت ۸)

یہاں مدنی سورتوں میں لفظ جہاد یا مجاہدہ کا معنی یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں مقدور بھر سعی و عمل سے کام لے کر جنگ لڑو۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح قرآن نے مکہ میں واضح طور پر فرمایا کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، اسی طرح مدنی دور میں قرآن نے پھر اعلان کیا کہ **لا اکراہ فی الدین** (بقرہ: ۲۵۶) ''دین میں کوئی جبر و اکراہ

---

۱ ''لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین'' (الممتحنہ: ۸)

نہیں۔"

یہاں میدانِ جنگ میں دشمن کے خلاف جہاد یا مجاہدہ کی تفسیر وتشریح میں جو کہا گیا ہے، اس کی بنا پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ

۱۔ مسلم اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات کی بنیاد امن پر ہے۔ جنگ ایک عارضی چیز ہے۔

۲۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان جنگ کی بنیاد جارحیت (Aggression) ہے، غیر مسلم ہونا نہیں۔ یعنی اختلافِ مذہب: ہندوازم، یہودیت یا نصرانیت جنگ کی بنیاد نہیں ہیں۔

۳۔ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے۔ "**الاصل فی الناس الحریة**"

۴۔ یہ جنگ صرف اس مسلح گروہ یا فوج کے خلاف ہوگی جس نے پہلے کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے۔ اس جنگ میں پرامن شہریوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور عبادت گاہوں میں بندگی کرنے والوں سے کوئی تعرض یا زیادتی کرنا ایک پاپ ہے، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

۵۔ جب مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بنیادی تعلقات امن و آشتی کے تعلقات ہیں اور جنگ کی اصل وجہ جارحیت (Aggression) ہے، اختلافِ مذہب نہیں، تو پھر جہاں کہیں قرآن مجید میں، مثلاً سورۂ توبہ میں، نصرانیوں اور یہودیوں سے جنگ کرنے کا ذکر آیا ہے، وہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ان دونوں جماعتوں (یہودی اور نصرانی) نے جارحیت کا ارتکاب کیا ہے تو پھر اُن سے جنگ کرو۔ جیسا کہ شام کی سرحدوں پر سنہ ۸ھ میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا۔ "آنحضرت ﷺ نے حضرت حارث بن عمیرؓ کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر موتہ بھیجا تھا، جہاں کا رئیس شرحبیل بن عمر غسانی تھا۔ اس نے بغیر کسی جرم وقصور کے (حارث بن عمیرؓ کو) قتل کرا دیا۔ اس صریح غدر وظلم نے پیغمبر اسلام ﷺ کو جنگ پر مجبور کر دیا اور ایک فوج سنہ ۸ ہجری میں روانہ کی گئی۔ اس وقت شہنشاہِ قسطنطنیہ بھی شام میں موجود تھا۔ اس سے رئیس موتہ نے مدد مانگی اور شاہی فوج بھی میدان میں آ گئی۔ تاہم فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام عرب قبائل نے تہیہ کر لیا کہ

مسلمانوں پر حملہ کر دیں... چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو خود دفاع کے لیے نکلنا پڑا۔ یہی دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہوا...

پس اس آیت میں (التوبہ: ۲۹ اور ۱۲۳) 'جنگ کرو' کے حکم سے مقصود جنگ کی یہی صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دُنیا کے تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر محض ان کے یہودی اور عیسائی ہونے کی وجہ سے حملہ کر دو، جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ نہ دیں، جیسا کہ معترضین نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[1]۔''

بے شبہ کسی جماعت یا حکومت کے جور و استبداد کے خلاف آواز اُٹھانا جہاد ہے۔ ظالم حکمرانوں کے سامنے سچ بات کہنا ایک بڑا جہاد ہے۔ لیکن یہ مقام اُنہی لوگوں کو ملتا ہے جو زندگی کو زندگی بنانے کے لیے سب سے پہلے اپنے نفس اور اس کی سفلی خواہشوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے خلاف اس جنگ کو آنحضرت ﷺ اور بڑے بڑے عارفوں نے جہادِ اکبر سے تعبیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان حجاب خود اس کا اپنا نفس ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار معروف عارف بایزید بسطامی نے خواب میں خدا کو دیکھا تو کہا: 'کیف الوصول الیک' (تم تک رسائی کیسے ہو؟) 'دع نفسک وتعال' (اپنے آپ کو پیچھے چھوڑ دو اور چلے آؤ۔)، جواب آیا۔

قرآن مجید نے واضح طور پر بار بار پیغمبروں اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ ''جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا تو ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو۔'' (الکہف: ۲۸)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: ابوالکلام آزاد: ترجمان القرآن، ج ۲، سورۃ التوبہ، آیت ۲۹، ۱۲۳۔ (یہاں آیاتِ کریمہ کے اکثر تراجم ترجمان القرآن سے دیے گئے ہیں۔)

محمد رشید رضا: تفسیر المنار، ج ۲/۲۰۸، ج ۱۰، ص ۲۸۹ (ط۔ دار المعرفۃ، بیروت)

محمد اسد: The Message of the Quran, Sura Al-Tawba, pp.262, 285

محمد ابوزھرہ: ابن تیمیہ (قاہرہ)، ابوزھرہ نے ابن تیمیہ کے حوالہ سے اسلام میں جنگ کے موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔

انسانی خواہشیں (الھوی، اُمانی) سچائی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسی لیے حضرت داؤد جیسے پیغمبر سے کہا گیا: ''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں حکمران بنایا ہے۔ تم لوگوں میں انصاف (الحق) سے فیصلے کیا کرو۔ (دیکھنا) خواہش کی پیروی نہ کرنا، وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گی۔'' (ص: ۲٦)

الغرض قرآن نے بار بار اپنے نفس پر قابو پانے کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور بڑے بڑے عارفوں نے اپنے نفس کے خلاف جنگ کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ سب سے بڑا دشمن تمہارے پہلو میں بیٹھا ہے۔ اس کے خلاف جہاد کرنا، بڑا جہاد ہے۔[۱] نامور صوفیا نے اپنی کتابوں میں 'مجاہدہ' اور نفس کی مخالفت کے عنوان سے الگ الگ لکھا ہے۔[۲] کہا جاتا ہے کہ جس دن حسین بن منصور الحلاج کو شہید کیا گیا۔ اس رات ایک آدمی نے اس سے کہا: حضرت! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ حلاج نے کہا: اپنے نفس پر قابو پاؤ، ورنہ وہ تم پر قابو پا لے گا۔[۳] اس جواب کی تشریح کرتے ہوئے اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اگر تم نے اپنے نفس کو سچائی میں مصروف نہ رکھا، تو وہ تمہیں سچائی سے دور کر دے گا۔ یا اگر تم نے اپنے نفس کو طاعت و بندگی میں مشغول نہ رکھا پھر وہ تمہیں سفلی تمناؤں میں الجھا دے گا۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید، حدیث اور ادبِ عالیہ میں امن و آشتی، صدق و صفا، رواداری، جواں مردی، حق پرستی اور انسان دوستی پر جس خوب صورتی سے لکھا گیا ہے، اس کو پڑھنے کے بعد شاید ہی کوئی انصاف پسند انسان اسلام پر تشدد، انتہاپسندی اور قتل و غارت کی تہمت لگانے کی جسارت کرے۔

شیخ سعدی نے اربابِ صدق کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

شنیدم کہ مردان رہِ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

۱۔ ابوالقاسم القشیری: لطائف الاشارات (قاہرہ، ج ۳، ص ۸۴، سورۃ التوبہ ۸)، مرتبہ ابراہیم بسیونی

۲۔ مثلاً دیکھیے: ابوالقاسم القشیری کا الرسالہ جو الرسالہ القشیریہ فی علم التصوف سے بار بار شائع ہوا ہے۔

۳۔ ل، ماسینوں: کتاب اخبار الحلاج، (پیرس، ۱۹۳۱ء)، ص ۹۷۔

تیرا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو وہ انسانی جماعت کو خدائی کنبہ قرار دیتا ہے، جہاں خدا کی نگاہ میں عزیز تر وہی ہوتا ہے۔ جو اس کے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک میں سب سے آگے ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب امن و آشتی، رواداری، آزادیٔ فکر، خدمتِ خلق اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں اسلام کی تعلیمات وہ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تو پھر تشدد، مذہبی فرقہ واریت، انتہا پسندی، اپنوں اور غیروں سے نفرت کے جذبات مسلم جماعت میں راہ پانے میں کامیاب کس طرح ہو گئے؟ بے شبہ وقت کے اس اہم موضوع پر مشرق و مغرب کے علمی حلقے تحقیق کر رہے ہیں۔ اگر فرصت ملی، تو آئندہ اس مسئلے پر تفصیل سے لکھیں گے کہ بیسویں صدی میں مسلم جماعت میں بہ قول سیّد مناظر احسن گیلانی جدید خوارج کا ظہور کیوں کر ہوا؟ مسلم جماعت کی سیاسی، اقتصادی محرومیوں اور فکری ژولیدگی نے کیا کردار ادا کیا؟ آج ہم پھر اسی بات کو دہراتے ہیں، جسے ہم نے 'المعارف' کے صفحات میں بار بار لکھا ہے کہ موجودہ وقت میں اپنے اُلجھے ہوئے تعلیمی، اخلاقی اور معاشی مسائل کا سنجیدگی اور گہری نظر سے جائزہ لیے بغیر چارہ نہیں، نیز یہ کہ ہمیں نفرت، تشدد اور انتہا پسندی کی روش کو چھوڑ کر حکمت و دانش کی راہ پر چلنا ہوگا۔ یہی ایک راہ ہے، جس پر چل کر ہم منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

رشید احمد (جالندھری)